وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر　　ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علمِ ادب ہے ہمارا

برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے　　عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے　　مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

زمانہ میں جتنے قلی اور نفر ہیں　　کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گویے امیروں کے نورِ نظر ہیں　　ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپِ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقے نہ ہوں جی سے جائیں گذر سب　　ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب　　جو ٹھُر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی　　نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانہ نے جن کی فصاحت تھی مانی　　مٹا دی عزیزوں نے ان کی نشانی
سب ان کے ہنر اور کمالات کھو کے
رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کے

ادب میں پڑی جان ان کی زباں سے　　جلا دین نے پائی ان کے بیاں سے
سناں کے لئے کام انہوں نے لساں سے　　زبانوں کے کوچے تھے بڑھ کر سناں سے
ہوئے انکے شعروں سے اخلاق صیقل
پڑی ان کے خطبوں سے عالم میں ہلچل

شریفوں کی اولاد

خلف اُنکے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں   فصاحت میں مقبول پیر و جواں ہیں
بلاغت میں مشہور ہندوستاں ہیں   وہ کچھ ہیں تو بے دیکھے اس کو کہ یاں ہیں
کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں
تو بھانڈ اُن کی غزلیں مجالس میں گائیں

طوائف کو ازبر ہیں دیوان اُن کے   گویوں پہ بے حد ہیں احسان اُن کے
نکلتے ہیں تکیوں میں ارمان اُن کے   ثناخواں ہیں ابلیس و شیطان اُن کے
کہ عقلوں پہ پردے دیئے ڈال اُنہوں نے
ہمیں کر دیا فارغ البال اُنہوں نے

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے   تباہ اُن کی حالت بُری اُن کی گت ہے
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہے   کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی

سدا گرم انفاس ہے اُن کی صحبت   ہر اک رند اوباش سے انکی ملت
پڑھے لکھوں کے سایہ سے اُن کو وحشت   مدارس سے تعلیم سے اُن کو نفرت
کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوانی
اُنہیں گالیاں دینی اور آپ کھانی

نہ علمی مدارس میں ہیں اُن کو پاتے   نہ شائستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
پہ میلوں کی رونق ہیں جا کر بڑھاتے   پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے
کتاب اور مُعلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے

اگر کیجے اُن پاک شہدوں کی گنتی   ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی
ملی خاک میں جن سے عزت بڑوں کی   مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی
تو یہ جس قدر خانہ برباد ہونگے
وہ سب ان شریفوں کی اولاد ہونگے

ہوئی ان کی بچپن میں یوں پاسبانی   کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
لگی ہونے جب کچھ سمجھ بوجھ سیانی   چڑھی بھوت کی طرح سر پر جوانی
بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہے اُن کا
اکھاڑوں میں تکیوں میں بسنا ہے اُن کا

نشہ میں مئے عشق کے چُور ہیں وہ   صفِ فوجِ مژگاں میں محصور ہیں وہ
غمِ چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ   بہت ہات سے دل کے مجبور ہیں وہ
کریں کیا کہ ہے عشق طینت میں اُنکی
حرارت بھری ہے طبیعت میں اُنکی

اگر شش جہت میں کوئی دلربا ہے   تو دل اُن کا نادیدہ اس پر فدا ہے
اگر خواب میں کچھ نظر آگیا ہے   تو یاد اُس کی دن رات نامِ خُدا ہے
بھری سب کی وحشت سے روداد ہے یاں
جسے دیکھئے قیس و فرہاد ہے یاں

اگر ماں ہے دُکھیا تو اُن کی بلا سے   اپاہج ہے باوا تو اُن کی بلا سے
جو ہے گھر میں فاقہ تو اُن کی بلا سے   جو مرتا ہے کُنبا تو اُن کی بلا سے
جنھوں نے لگائی ہو لَو دلرُبا سے
غرض پھر اُنھیں کیا رہی ماسوا سے

نہ گالی سے دُشنام سے جی چُرائیں   نہ جُوتی سے پیزار سے ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو چُھپن دکھائیں   جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اُٹھائیں
لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اُن کی ہمسائگی سے

سپوتوں کو اپنے اگر بیاہ دیجے   تو بہوؤں کا بوجھ اپنی گردن پہ لیجے
جو بیٹی کے پیوند کی فکر کیجے   تو بدراہ ہیں بھانجے اور بھتیجے
یہی جھینکنا گُو بہ گُو گھر بہ گھر ہے
بہو کو ٹھکانا نہ بیٹی کو بَر ہے

نہ مطلب نگاری کا اُن کو سلیقہ　　نہ دربار داری کا اُن کو سلیقہ
نہ امیدواری کا اُن کو سلیقہ　　نہ خدمت گذاری کا اُن کو سلیقہ
قُلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر اِن کو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنہیں پیٹ بھر کے　　وہ گزران کرتے ہیں سو عیب کر کے
جو ہیں اُن میں دو چار آسودہ گھر کے　　وہ دن رات خواہاں ہیں مرگِ پدر کے
نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں
سلف اِن کے وہ تھے خلف اُن کے یہ ہیں

وہ اِسلام کی پود شاید یہی ہے　　کہ جس کی طرف آنکھ سب کی لگی ہے
بہت جس سے آئندہ چشم بہی ہے　　بقا منحصر جس پہ اِسلام کی ہے
یہی جان ڈالے گی باغ کہن میں؟
اِسی سے بہار آئے گی اِس چمن میں؟

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری؟　　کہ بخشیں گی جو دین کو استواری؟
کریں گی یہی قوم کی غمگساری؟　　انہیں پر امیدیں ہیں موقوف ساری؟
یہی شمعِ اسلام روشن کریں گی؟
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی؟

خلف اُن کے الحق اگر یاں یہی ہیں　　سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں
اگر یادگارِ عزیزاں یہی ہیں　　اگر نسلِ اشراف و اعیاں یہی ہیں
تو یاد اس قدر اُن کی رہ جائے گی یاں
کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یاں　　ہیں آزادیٔ رائے پر جو کہ نازاں
چلن پر ہیں جو قوم کے اپنے خنداں　　مسلماں ہیں سب جن کے نزدیک ناداں
جو ڈھونڈو گے یاروں کے ہمدرد اُن میں
تو نکلیں گے تھوڑے جوانمرد اُن میں

نہ رنج ان کے افلاس کا اُن کو اصلا   نہ فکر اُن کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا   اُڑانا مگر مُفت ایک اِک کا خاکا
کہیں اُن کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں اُن کی خوراک کو نام دھرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا   نشانہ اُسے پھبتیوں کا بنانا
شماتت سے دل بھائیوں کا دُکھانا   یگانوں کو بیگانہ بن کر چِڑانا
نہ کچھ درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خُون کا چشمِ تر میں

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے   پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے   کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہے
جو سوتے ہیں وہ مستِ خوابِ گراں ہیں
جو بیدار ہیں ان پہ خندہ زناں ہیں

کوئی اُن سے پُوچھے کہ اے ہوش والو   کس اُمید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو
بُرا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو   نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا   کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا
فقیر اور جاہل ضعیف اور توانا   تاسف کے قابل ہے احوال سب کا
مریض ایسے مایُوس دنیا میں کم ہیں
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہم ہیں

حالی

کسی نے یہ اک مردِ دانا سے پُوچھا   کہ نعمت ہو دنیا میں سب سے بڑی کیا ہے؟
کہا "عقل جس سے ملے دین و دُنیا"   کہا "گر نہ ہو اس سے اِنساں کو بہرا"
کہا "پھر اہم سب سے علم و ہُنر ہے
کہ جو باعثِ افتخارِ بشر ہے"

کہا "گر نہ ہو یہ بھی اُس کو مُیسّر کہا مال و دولت ہے پھر سب سے بڑھ کر"
کہا "ڈر ہو یہ بھی اگر بند اُس پر" کہا اُس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر
وہ ننگِ بشر تاکہ ذلّت سے چھوٹے
علائق سب اُس کی نحوست سے چھوٹے

مجھے ڈر ہے اے میرے ہم قوم یارو مبادا کہ وہ ننگِ عالم تمہیں ہو
گر اسلام کی کچھ حمیت ہے تم کو تو جلدی سے اُٹھو اور اپنی خبر لو
وگرنہ یہ قول آئے گا راست تم پر
کہ ہونے سے اِن کا نہ ہونا ہے بہتر

رہو گے یونہیں فارغ البال کب تک نہ بدلو گے یہ چال اور ڈھال کب تک
رہے گی نئی پود پامال کب تک نہ چھوڑو گے تم بھیڑیا چال کب تک
بس اگلے فسانے فراموش کر دو
تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو

برکاتِ حکومت

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں
تسلّط ہے مُلکوں میں امن و اماں کا
نہیں بند رستہ کسی کارواں کا

نہ بدخواہ ہے دین و ایماں کا کوئی نہ دشمن حدیث اور قرآں کا کوئی
نہ ناقص ہے ملت کے ارکاں کا کوئی نہ مانع شریعت کے فرماں کا کوئی
نمازیں پڑھو بے خطر معبدوں میں
اذانیں دھڑلّے سے دو مسجدوں میں

کھلی ہیں سفر اور تجارت کی راہیں نہیں بند صنعت کی حرفت کی راہیں
جو روشن ہیں تحصیل حکمت کی راہیں تو ہموار ہیں کسبِ دولت کی راہیں
نہ گھر میں غنیم اور دشمن کا کھٹکا
نہ باہر ہے قزاق و رہزن کا کھٹکا

مہینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں　　گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں
ہر اک گوشہ گلزار ہے جنگلوں میں　　شب و روز ہے ایمنی قافلوں میں
سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا
وسیلہ ہے وہ اب سراسر ظفر کا

پہنچتی ہیں ملکوں میں دم دم کی خبریں　　چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
عیاں ہیں ہر اک براعظم کی خبریں　　کھلی ہیں زمانہ پہ عالم کی خبریں
نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا
ہے آئینہ احوال روئے زمیں کا

کرو قدر اس امن و آزادگی کی　　کہ ہے صاف ہر سمت راہ ترقی
ہر اک راہ رو کا زمانہ ہے ساتھی　　یہ ہر سو سے آواز پیہم ہے آتی
کہ دشمن کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر ہے
نکل جاؤ رستہ ابھی بے خطر ہے

بہت قافلے دیر سے جا رہے ہیں　　بہت بوجھ بار اپنے لدوا رہے ہیں
بہت چل چلاؤ میں گھبرا رہے ہیں　　بہت سے نہ چلنے سے پچھتا رہے ہیں
مگر اک تمہیں ہو کہ سوتے ہو غافل
مبادا کہ غفلت میں کھوئی ہو منزل

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو　　لٹیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبروں کو
دو الزام پیچھے نصیحت گروں کو　　ٹٹولو ذرا پہلے اپنے گھروں کو
کہ خالی ہیں یا پر ذخیرے تمہارے
برے ہیں کہ اچھے وتیرے تمہارے

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب　　چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب　　بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب
یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے
ستوں مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا ایک شمہ ہے اُس کا — کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا
زمانہ نے اُونچے سے جس کو گرایا — وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا

نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے — سرانجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانہ کی عادت یہی ہے — طلسمِ جہاں کی حقیقت یہی ہے

بہت یاں ہوئے خشک چشمے اُبل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر

کہاں ہیں وہ اہرامِ مصری کے بانی — کہاں ہیں وہ گُردانِ زابلستانی
گئے پیشدادی کدھر اور کیانی — مٹا کر رہی سب کو دُنیائے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

وہی ایک ہے جس کو دایم بقا ہے — جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے
سوا اُس کے انجام سب کا فنا ہے — نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے

مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب